بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کتاب مسلمان لڑکیوں اور بیبیوں کے لیے لکھی گئی ہے۔
اور اس میں بانیٔ اسلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی
بیٹی حضرت سیدۃ النسا فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا
کی زندگی کے واقعات اس غرض سے جمع کیے گئے ہیں کہ
مسلمان تعلیم یافتہ بیبیاں اُن کی پاک اور متبرک زندگی سے
سبق حاصل کریں۔ اور اکولعزیز زندگی بسر کرنے کے قابل بن سکیں

بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی ہماری عورتوں اور لڑکیوں کو اخلاق، ادب، عظمتِ اسلام، اطاعتِ شوہر اور سادگی کی تعلیم دیتی ہے۔ اور سکھاتی ہے کہ دُنیا میں وہ عورتیں مرنے کے بعد بھی زندہ رہ سکتی ہیں جو اپنی دنیوی زندگی کو مذہبی احکام کے ساتھ وابستہ رکھتی ہیں۔ اور جن میں خود نمائی اور اظہارِ تکلّف کا مادّہ نہیں ہوتا۔

اُمّ الحسنین علیہما السلام کے واقعاتِ زندگی میں صبر و قناعت رضا و تسلیم اور غربت و مسکینیت کے اعلیٰ ترین نمونے مسلمان عورتوں کے لیئے قابلِ تقلید ہیں۔ اور زمانہ جس قدر ترقی کرتا جائیگا اُن کے کارناموں کی تقلید سے عورتوں کو محبت پیدا ہوتی چلی جائیگی جس طرح مردوں کے لیئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ایک نمونہ تھے

اُسی طرح عورتوں کے لئے اُن کی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضؓ ایک نمونہ تھیں۔ اُردو میں آپ کے حالات بہت کم شائع ہو سکے ہیں اور اسی خیال نے ہمیں اور بھی جرأت دلائی کہ سیدۂ پاک کے حالاتِ زندگی، جس قدر بھی معتبر ذرائع سے معلوم ہو سکیں ایک جگہ لکھ دیئے جائیں تاکہ اُردو لٹریچر اور زنانہ دماغ اِس پاک اور معصوم خاتونِ عرب کے حالات سے خالی نہ رہ جائیں۔ اور یہی وجہ اِس کتاب کی تدوین و ترتیب کا اصلی سبب ہے۔

سیماب

صدیقی الوارثی اکبرآبادی

ولادت اور بچپن
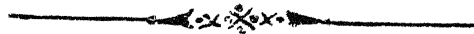
سیدۃ النسا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا جو
عورتوں میں "بی بی" کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی بیٹی تھیں۔
جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کو
بیس برس ہوگئے تو اُن کے بطن سے سنہ ۵ میں خاتون جنت
پیدا ہوئیں۔ ابھی آپ پانچ برس ہی کی ہونے پائی تھیں کہ
آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے انتقال فرمایا
اور یہ قابلِ رحم بچی ہمیشہ کے لئے اپنے بچپن ہی میں آغوشِ مادر
کے لطف سے جدا ہوگئی۔

اِس بات کا تجربہ ہے کہ فطرتاً لڑکی کو ماں سے اور لڑکے کو باپ سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ گو سیّدۃ النسا کی عمر اِس بات کو سمجھنے کے قابل نہ تھی کہ اگر ماں مر گئی تو کیا جاتا رہا تاہم اُن کی صورت سے بیکسی اور بے بسی غربت اور بیچارگی ضرور ٹپکتی تھی، وہ حسرت ویاس سے ایک ایک کی صورت کو دیکھتی تھیں اُن کی آنکھیں غمخوار اور غمگسار ماں کو ہر طرف تلاش کرتی تھیں لیکن جب ماں کی صورت کہیں نظر نہ آتی تھی تو کم سن سیّدہ اکثر رو کر اپنے والد ماجد سے پوچھ لیا کرتی تھیں کہ "ابّا جان امّاں کہاں گئی ہوئی ہیں اور اب کب آئیں گی"؟

آہ! اِس نادان غریب لڑکی کو کیا معلوم تھا کہ اُس کی ماں ہمیشہ کے لئے اُس سے رخصت ہو چکی ہے اور وہ اب

قیامت تک مرنے والی کی گود میں نہیں کھیل سکتی۔ جناب رسولؐ کریم حضرت سیدہ کو تسلی ضرور دیتے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ اُنہوں نے جتا بھی دیا تھا کہ "بیٹی تمھاری ماں وہاں گئی ہیں جہاں جا کر کوئی واپس نہیں آتا اور وہیں ایک دِن سب کو جانا ہے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن)

بے ماں کی بچّی حضرت سیدۃ النسا گھر میں تنہا بیٹھی رہتیں اڑوس پڑوس میں کوئی اتنا بھی نہ تھا کہ اس غریب بچّی کو کبھی کبھی بہلا لیا کرتا۔ جناب رسولؐ کریم کو تبلیغ اسلام ہی سے فرصت نہ تھی وہ اِن کی نگہداشت کیا کرتے، خصوصاً ایسے زمانہ میں جبکہ تمام مکّے والے آپ کے خون کے پیاسے تھے اور بجز چند آدمیوں کے کوئی آپ کا ساتھی نہ تھا۔

آپ تبلیغ اسلام کے لئے کہیں جاتے تو خاتونِ جنت تنہا
پڑی ہوئی رویا کرتیں، نبی کی بیٹی، اور وہ بھی چہیتی بیٹی، پھر
اُس کی یہ حالت کہ تنہا ہے چراغ میں تیل بھی نہیں ہے۔
جو روشن کرسکے، مٹکوں میں پانی کی بوند بھی نہیں ہے جو
پیاس لگے تو پی لے۔ کھانے کے لئے بھی گھر میں کبھی کچھ ہے
کبھی کچھ بھی نہیں۔ یہ عمر اور ایسی ایسی مصیبتیں، حضرت سیدہ
کی ہی ہمت تھی جو برداشت کرگئیں ورنہ اگر اُن کی بجائے
کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو کلیجہ پھاڑ کر مر جاتی۔

اِس عالمِ تنہائی کی مونس اور غمگسار فاطمہ بنت اسد اور فاطمہ
بنت زبیر تھیں، جو کبھی کبھی حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ کے
پاس آبیٹھتی تھیں ورنہ زیادہ حصہ رات اور دن کا تو اکثر

تنہائی میں بسر ہوا کرتا تھا۔

مصیبت اور غربت کا تجربہ جنابہ سیدہ کو بچپن ہی سے ہوتا گیا۔ اور دنیا کی محبت اُن کے دل سے شروع ہی سے کم ہوتی چلی گئی۔ وہ مغموم اور خاموش پڑی ہوئی آیندہ اپنی زندگی کے متعلق وحشت ناک خواب دیکھا کرتی تھیں۔ لیکن اُنکی سمجھ میں کچھ بھی نہ آتا تھا کہ آخر کیا ہونے والا ہے۔

جناب رسولؐ کریم تو کچھ لکھے پڑھے نہ تھے جو اپنی چہیتی بیٹی کو تعلیم دیتے، چنانچہ یہ لڑکپن کا زمانہ بے تربیت رہ کر ہی بسر ہونے لگا۔ ہاں نبیؐ کریم کے فیضِ صحبت سنے خاتونِ جنت میں تہذیب و شائستگی کا رنگ ضرور بھر دیا جو اِس قدر گہرا اور پختہ ہوا کہ تا مدت العمر اُن کی اخلاقی حالت سے جُدا نہ ہوا۔ جنابِ رسولِ کریم

کو سیدۃ النسا کی بیکسی کا بہت بڑا خیال تھا اور حضرت
خدیجۃ الکبریٰ کے انتقال کے بعد سے تو اُن کی محبت اپنی بیٹی
کی طرف اور بھی زیادہ بڑھ گئی تھی - کہ خدا نے غیب سے
ایک سامان پیدا کر دیا - اور آنحضرت صلعم سکران کی بیوہ بیوی
حضرت سودہؓ کو اپنے نکاح میں لے آئے اور حضرت فاطمہؓ
کو اُن کی سرپرستی میں دیدیا -

سکران اور اُس کی بیوی سودہؓ (جو اَب حضرت کے
نکاح میں تھی) قریش کے ایک معزز خاندان میں سے تھے
اور آنحضرت پر ایمان لا چکے تھے - اسلام کا لے آنا ہی اُن کے
لیے موجب پریشانی و مصیبت ہوا - اہل قریش اُنہیں طرح
طرح کی تکلیفیں دینے لگے - ستانے لگے، دبانے لگے، دِق

کرنے لگے، یہاں تک کہ یہ دونوں میاں بیوی مکہ چھوڑ کر
حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حبشہ پہنچکر سکران کی زندگی نے
اُس کا ساتھ چھوڑ دیا اور سودہؓ تنہا رہ گئیں۔ ایک تو پردیس
اُس پر تنہائی، اور پھر دشمنوں کا خوف، سودہ نے یہی مناسب
سمجھا کہ واپس مکہ معظمہ کو لوٹ جائیں اور اپنے اعزا و اقارب
میں پناہ گزیں ہوں۔ جب یہ بدنصیب بیوہ مکہ معظمہ میں دوبارہ
تشریف لائیں تو اُن کی قوم نے اُنہیں اُس سے بھی زیادہ
ستانا شروع کر دیا۔ بیکس سودہؓ کی حالت کی اطلاع جناب
رسولؐ کریم کو ہوئی تو آپ کی رحیم و کریم ذات جوش میں آ ئی
اور سودہؓ کو آپ اپنے نکاح میں لے آئے، سودہؓ عمر میں آپ سے
بڑی تھیں اور بیوہ تھیں، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرتؐ

نے ایک ایسی عورت سے نکاح کر کے اپنی اُمت کے لیئے ایک مثال قائم کر دی کہ میری اُمت کے لوگ میرے بعد بیوہ اور اپنی عمر سے زیادہ عمر والی عورت کے ساتھ نکاح کرنا عیب نہ جانیں۔ یہ تھا خُلقِ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس پر آج تمام قومیں زبان سے نہیں تو دل سے ضرور ناز کر رہی ہیں۔ مخالفت کا جوش حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا، لوگ اپنے نبی کی جان کے دشمن تھے۔ اور خدا کا سچا اور تنہا رسولؐ ہزاروں اور لاکھوں مخالفوں میں روز اسلام کا وعظ کہتا تھا۔ لوگ پتھر برساتے تھے، راستے میں کنوئیں آپ کے لیئے خس پوش کر دیئے جاتے تھے، غرضکہ کونسی ایسی مصیبت تھی جو آپ کے لیئے نہ سوچی جاتی ہو لیکن

آپ استقلال و ثابت قدمی کے ساتھ سب کچھ برداشت کرتے چلے جاتے تھے۔ ایک روز اہل قریش کے چند سردار جمع تھے اثنائے وعظ میں آپ نے فرمایا کہ خاندان قریش کے چند آدمی بھی میرا ساتھ دیں تو پھر میں دکھا دوں کہ مذہب اسلام کی اشاعت کس طرح ہوتی ہے۔

یہ الفاظ اہل قریش کی جماعت میں اس طرف سے اُس طرف گونجتے ہوئے نکل گئے، کہ اسی جماعت میں سے دس برس کا ایک بہادر لڑکا تلوار ہاتھ میں لیئے ہوئے نکل پڑا، اور سینہ تان کر تلوار تول کر کہنے لگا کہ "یا رسول اللہ میں آپ کے ساتھ ہوں"!

اہل قریش اس بچہ کی جسارت و ہمت کو دیکھ کر ہنسنے

لگے، اور تعجب و حقارت سے اِس قریشی بچہ کی طرف دیکھنے لگے

آنحضرت صلعم نے اُسے گلے سے لگایا، مسلمان کیا، اور

اُس کی ہمت و جُرأت پر آفریں کی۔ لڑکوں میں یہ سب سے

پہلا ہونہار لڑکا تھا جو آپ پر بھرے مجمع میں ایمان لایا۔

بہنو! کچھ تم سمجھی بھی یہ صاحبزادے کون تھے ؟

رسول خدا کے ہونے والے داماد، حضرت علی کرم اللہ وجہہ

جو انجام کار اسلام میں ایک زبردست بزرگ اور رسولِ

خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بزرگ ترین خلیفہ ہوئے۔

کفار قریش کیا جانتے تھے کہ جس لڑکے کی جُرأت و

ہمت پر آج ہم دانت نکال رہے ہیں یہی لڑکا کل جگر

گوشہ رسول کریم کا حقدار ہوگا۔ اور اصحابِ رسول اللہ

میں ایک امتیازی درجہ حاصل کرے گا۔

خاکسارانِ جہاں رابحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوائے باشد

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ جناب رسولؐ پر ایمان لے آئے تو کفار قریش اُن کے بھی جانی دشمن ہو گئے۔ اور حضرتؐ نے یہی مناسب سمجھا کہ اُنہیں ہر وقت اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں۔ جس طرح آپ سیدہ فاطمۃ الزہرا کا خیال رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی آپؐ کو خیال رہا۔ اولاد کی طرح پالا، پرورش کیا، جہاں گئے اپنے ساتھ لے گئے، اور کسی طرح اُن کا دل میلا نہ ہونے دیا۔

کفار قریش کی مخالفت آگ کی طرح بھڑک رہی تھی

بھتیری کوشش کی گئی اور بھتیر سمجھایا گیا کہ یہ لوگ کسی طرح باطل پرستی کو چھوڑ کر حق پرستی کی طرف مائل ہوں لیکن اللہ نے تو اُن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مُہریں کردیں تھیں، وہ احکام الٰہی کو کیونکر مانتے، اُن کے لئے عذاب الیم کا وعدہ تھا، لڑائیاں ہوئیں جھگڑے ہوئے خون ریزیاں ہوئیں، لیکن منکرانِ خدا و رسول اپنی جہالت اور ضد سے باز نہ آئے۔

مجبور ہو کر جناب رسولِ کریمؐ نے مکّہ معظمہ کو جو آنجناب کی پیدائش و پرورش کی جگہ تھی، اور جہاں خاندان نبوی کے بزرگوں کی ہڈیاں مدفون تھیں خیرباد کہنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ مدینہ منورہ میں چلکر بود و باش اختیار کریں۔ اہل مدینہ

جو آپ پر ایمان لا چکے تھے، کئی مرتبہ اصرار بھی کر چکے تھے۔
کہ حضور مدینے تشریف لے چلیں وہاں چلکر کفارانِ قریش
کی مخالفت کا اثر باطل ہو جائیگا چنانچہ خدا کا سچا نبیؐ۔ چند
لوگوں اور اہل بیت کو ساتھ لیکر جن میں حضرت سیّدہ اور
حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ مکہ سے مدینے کی طرف
روانہ ہو گئے۔ یا مدینہ پہنچکر حضرت سیدہ کو وہاں بُلا لیا۔
مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بت پرست قوموں میں سے
اکثر قومیں آپ پر ایمان لے آئیں۔ لیکن بسا اوقات مخالفین
اسلام کے ساتھ جہاد کرنا پڑا اِس زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ
وجہہ، جوان ہو چکے تھے، لڑکپن کا زمانہ گزر چکا تھا۔ چنانچہ
رسولِ کریم کے ساتھ آپ نے بھی کفّار کے وہ وہ پرخچے اُڑائے

کہ اُن سیہ کاروں اور جاہلوں کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ اور سب آپ کی شجاعت کا لوہا مان گئے۔ خدا نے آپ کو ہمت و شجاعت میں خاص حصہ دیا تھا۔ آپ کی جوانمردی اور دلیری کا سکہ شجاعانِ عرب کے دلوں پر بیٹھتا چلا گیا اور لشکر اسلام کی سپہ سالاری کا سہرا آخرکار آپ ہی کے سر رہا۔

اب حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرہ کے لڑکپن کا زمانہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ اور آپ جوان ہو گئیں تھیں، نبی زادی سے مناکحت کے لیے اکثر سرداران عرب کی درخواستیں آنے لگیں لیکن حضرت رسالت مآب نے کسی سے ابھی تک قرار نہیں کیا۔

حضور سرورِ کائنات کو خیال تھا کہ فاطمہؓ کا شوہر بھی

ایسے ہی اخلاق و عادات والا ہو جیسی کہ اُس کو خدا نے عنایت کی ہیں۔ وہ متوکل ہو، قانع ہو، فاقہ کشی کی مصیبت میں خُدا کا شکر کرنا اُسے مشکل نہ ہو، غریب ہو، مسکین ہو، اور ساتھ ہی ساتھ ایسے عالی خاندان سے بھی ہو جس سے وابستہ ہونا ایک نبی کی بیٹی کے لیئے باعث ننگ و عار نہ ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دل میں جناب فاطمہؓ کی محبت ضرور تھی لیکن ادبِ رسالت اور خوف مصطفائیؑ آپکی زبان کو روکے ہوئے تھا۔ آپ کے لب آرزو پر مُہر خاموشی لگی ہوئی تھی اور آپ اپنی حسرتوں اور ارمانوں کو ایک مدت مدید سے اپنے دل میں پرورش کر رہے تھے۔ چنانچہ ایک روز آپ مدینہ کے کسی جنگل میں اپنا اونٹ چرا رہے تھے، دوپہر کا

وقت تھا، کہ حضرت عمرؓ بھی کسی ضرورت سے وہاں جا پہنچے،
اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ "علیؓ" آج کل بنت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی درخواستیں آرہی
ہیں تم بھی اُمیدواروں میں اپنا نام کیوں نہیں لکھوا دیتے؟
حضرت علی کرمؓ حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ سُنکر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا
کہ "بھائی تم مجھے کیوں چھیڑتے ہو میں اس قابل کہاں ہوں کہ
رسول اللہ اپنی طاہرہ بیٹی کی زوجیت کے لیے مجھے قبول فرمائیں
یہ الفاظ آپ کے مُنہ سے نکلے اور آپ کے چہرہ پر حسرت
یاس اور رنج کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے
آپ کو تسلّی دی اور اُسی وقت اپنے ہمراہ لیکر خدمت رسولؐ
میں حاضر ہوئے۔

جناب رسول کریمؐ اُس وقت ام سلمہؓ کے گھر میں رونق افروز تھے، حضرت عمرؓ تو سمجھا بجھا کر چلے گئے۔ حضرت علی کرمؓ نے دروازہ پر دستک دی، کواڑ کھُلے اور حضرت علی کرمؓ اندر بلا لئے گئے، یہ گئے اور سب سے الگ سر جھکا کر فکرمند و پریشان سے جا بیٹھے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اے علیؓ آج کیا ہی کہ تم شرمائے سے بیٹھے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم کچھ کہنا چاہتے ہو لیکن شرم کہنے نہیں دیتی۔ کہو کیا بات ہے۔

جناب علی کرمؓ نے نہایت ادب کے ساتھ سر جھکا کر اور ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں میں بچپن سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اپنے باپ ابوطالب اور ماں فاطمہ بنتِ اسد سے زیادہ شفیق حضور

کو پاتا ہوں حضرت نے مجھے اپنی کفالت میں لیا ہی اور آج
تک میرے ساتھ ہمیشہ بزرگانہ سلوک فرمایا ہی۔ اس لئے
یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر حضور نے مجھے اپنی غلامی کا شرف
بخشا ہی تو سیدہ فاطمہ رض ....

حضرت علی کرم اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ آپ کی زبان کو
لغزش ہوئی، ندامت سے سر اور جھک گیا اور آپ
خاموش ہو گئے۔

پیغمبر خدا حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جناب علی کرم کا
مطلب سمجھنے میں کچھ زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ آپ نے تبسّم
فرمایا اور حضرت علی رض کو پاس بلا کر پوچھنے لگے کہ اچھا اچھا میں
تمھارا مطلب سمجھا لیکن فاطمہ رض کے نکاح کے لئے تمھارے

پاس کیا پونجی اور کتنا سرمایہ ہے۔

حضرت علیؓ کرم کی ندامت مسرت سے بدل گئی اور آپ نہایت ادب سے عرض کرنے لگے کہ اس خاکسار کے پاس جو کچھ بھی ہے آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ بس ایک تلوار ایک اونٹ اور ایک زرہ ہے۔

مجھے کیا فکر زر و مال اگر پاس نہیں
یہی کیا کم ہے کہ میں آپ کا کہلاتا ہوں

شادی اور وداع

سیدہ خاتونِ جنت کی شادی نہایت سادہ طور پر عمل میں آئی، حضرت علی کرم سے مشورہ کر کے ایک دن مقرر کر لیا گیا اُس دن دولھا دولھن بالکل سادہ اور روزمرّہ کے لباس میں تھے۔ کسی قسم کا تکلف نہ لباس میں تھا نہ کسی اور بات میں۔ طریقۂ مروّجہ پر نکاح پڑھایا گیا۔ اور ایجاب قبول کے بعد ذراسی دیر میں مجلسِ نکاح برخاست ہو گئی۔ بروایتِ بعض حضور صلعم نے حضرت سیدہ کو جہیز بھی دیا۔ جس میں ایک چکی، دو پاجامے، دو مٹکے، ایک مٹی کا لوٹا، ایک بستر، ایک جانماز، اور چند سورتیں کلام اللہ کی تھیں، ہاں پند و نصائح

کے خزانے ضرور ہمراہ تھے۔ نہ حضرت علیؓ گھوڑے پر چڑھے
نہ بی فاطمہؓ پالکی میں بیٹھیں۔ نہ برات بجی، نہ ڈھول تاشے
اور نہ گاجا باجا آیا۔ نہ دعوت اور ٹی پارٹی اڑی، ہاں حضرت
علی کرمؓ نے اپنی ایک پرانی زرہ بیچ کر جو کا دلیا وہ بھی سادہ،
دوستوں کے سامنے ضرور لا کر رکھا جسے سب نے بخوشی قبول کر لیا
بقول بعض حضرت فاطمہؓ ایک مہینہ کے بعد وداع کی گئیں
نکاح وغیرہ سے رخصت پا کر حضور پرنور نے ازواج مطہرات
کو حکم دیا کہ فاطمہؓ کے نکاح کی خوشی میں دف بجائیں اور خود
بدولت حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ
آپ اداس سر جھکائے ہوئے معمولی کپڑے پہنے بیٹھی ہیں۔ آپ کو
چپ چپ دیکھ کر نبی کریمؐ سمجھے کہ شاید فاطمہؓ علی کرمؓ کے افلاس

کی وجہ سے غمگین ہے۔ فرمایا کہ "اے فاطمہؓ ملول نہ ہونا۔ اہلبیت میں علی کرم اسے بہتر دوسرا کوئی نہ تھا جسے میں تیرا شوہر بناتا۔ دنیوی افلاس چند روزہ ہے۔ آخرت کے خزانے تیرے لیئے کُھلے ہوئے ہیں۔ وہاں پہنچکر عیش کر لینا" اَللّٰہُ غَنِیٌ وَاَنْتُم الفقرآء" فقرو افلاس کا خیال کرنا فضول ہے۔

سیّدہ کے نکاح کو ایک مہینہ گزر گیا تو حضرت علی کرم سے اُن کے بھائی عقیل نے آکر کہا کہ ہم چاہتے ہیں اب رخصت بھی جلد ہو جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ لیکن جناب رسالت مآب کے سامنے ایسا کہتے ہوئے شرم سی آتی ہے عقیل حضرت علی کرم کو لیکر رسولِ انور کے پاس آتے تھے۔ کہ راستہ میں آپ کی

کنیز اُمِ ایمن سے ملاقات ہوگئی جب اُن سے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو وہ کہنے لگیں کہ اس معاملہ میں پہلے ازواج مطہرات سے مشورہ کرلینا مناسب ہے۔ اس کے بعد حضور سرورِ کائنات کی خدمت میں عرض کیا جائے۔ عقیل کی سمجھ میں یہ بات آگئی، اور وہ معہ حضرت ام سلمہؓ اور دوسری بی بیوں کے حضرت عائشہؓ صدیقہ کے گھر پہنچے۔ جہاں حضور اکرم بھی رونق افروز تھے۔

پہلے تو اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر حضرت اُم سلمہؓ نے مرحومہ خدیجۃ الکبریٰ کا ذکر چھیڑ دیا۔ اور کہنے لگیں کاش اس وقت وہ زندہ ہوتیں تو فاطمہؓ کے نکاح کی اُنہیں کیسی خوشی ہوتی۔ یہ سُنکر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی آنکھوں میں

آنسو بھر آئے اور آپ فرمانے لگے کہ "خدیجہؓ کا مثل کہاں

اُس نے میری تصدیق اُس وقت کی جب سب مجھے جھٹلا رہے

تھے، اس نے اپنا سارا مال و متاع خدا کی راہ میں لٹا دیا۔

اور اسلام کی حمایت کی" حضرت اُم سلمہؓ نے عرض کیا کہ

یا رسول اللہ آپ کا فرمانا درست ہے۔ خداوند کریم آپ کو

اور ہمیں اُن سے جنت میں ملائے۔ اب آپ کے بھائی اور چچا کے

لڑکے فاطمہؓ کے لیے آئے ہیں فاطمہؓ کو رخصت کر دیجئے۔

حضور سرورِ کائنات نے فرمایا کہ جاؤ۔ علیؓ کو بلا لاؤ اُس نے

ہم سے تو آج تک رخصت کے متعلق کچھ بھی نہ کہا۔ حضرت اُم

سلمہؓ بولیں کہ حضور وہ شرمیلے بہت ہیں۔ یہ کہہ کر دروازہ پر

آئیں اور حضرت علیؓ کو بلا کر اندر لے گئیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا

کہ "علیؑ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری بیوی کو رخصت کر دوں"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بجائے جواب سر جھکا لیا۔ اور

خاموش ہو کر رہ گئے۔

جناب رسول کریم نے حضرت علیؓ کا عندیہ معلوم کرنے کے

بعد حضرتِ فاطمہؓ کو بلایا، حضرت علیؑ کو سیدھے ہاتھ کی طرف

اور فاطمہؓ کو بائیں ہاتھ کی طرف بٹھا کر نصیحتیں کیں۔ جناب

فاطمہؓ کو حقوق شوہر بتائے۔ حضرت علیؓ کو حقوق زوجہ سکھائے

دونوں کے حق میں دعائے خیر کی، حضرت اُم سلمہؓ سے فرمایا کہ

اپنے حُجرہ میں جھاڑو بہارو دیدو۔ اور پھر دونوں کو بخندہ

پیشانی رخصت کر دیا۔ اور خود باہر تشریف لے جانے لگے

حضرت سیدہ نے عرض کی کہ اگر گھر کے کاموں کے لیے ایک
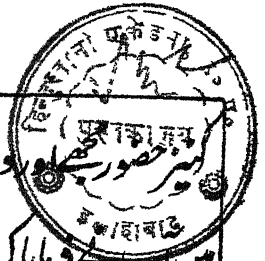
کنیز حضور مجھے [illegible] دیدیں تو بڑی عنایت ہو۔ جس کے جواب
میں آپ نے فرمایا کہ میں بجائے اس کے کہ تمھارے لیے
کوئی خدمتگار مقرر کروں تمھیں ایک ایسی چیز دیتا ہوں جو
خدمتگار سے بہتر ہے۔ تم دن میں کسی نماز کے بعد "۳۳ بار
سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمدللہ اور ایک بار لا الٰہ الا اللہ
وحدہٗ لاشریک لہٗ الحمد وہو علیٰ کل شئیٍ قدیر" پڑھ لیا کرو
پھر فرمایا کہ بیٹی تیرا باپ اور تیرا شوہر دونوں فقیر ہیں۔ "الفقر
فخری" اور فقر میرے لیے باعث فخر ہے۔ لیکن اگر تو دنیائے
ہیچ کی حقیقت سے واقف ہو جائے تو قسم ہے پروردگار عالم
کی کہ اُس کا دھیان کبھی تیرے دل میں نہ آئے۔ یہی تیرا
شوہر باعتبار علم و حلم میرے اصحاب میں برتر ہے۔ کبھی اپنے

شوہر کی نافرمانی نہ کرنا۔ ان کا دل نہ دکھانا۔ اور جس میں یہ
خوش ہوں وہی کام کرنا۔

حضرت علیؓ سے فرمایا۔ اے علیؓ تمھیں مبارک ہو تمھاری
بیوی نہایت نیک ہے، اے علیؓ فاطمہؓ میرا دل ہے میرے
جگر کا ٹکڑا ہے اگر تم اس کو خوش رکھوگے تو گویا مجھے خوش
رکھوگے اور اگر اسے رنج دوگے تو گویا مجھے رنج دوگے۔
میں تم دونوں کو خدا کے سپرد کرتا ہوں یہ کہکر آپ باہر تشریف
لے گئے اور جناب علیؓ کرم اور حضرت فاطمہؓ علحدہ ایک حجرے
میں رہنے سہنے لگے۔

کیا آج کل بھی لڑکیوں کی شادیوں مین باپ کا یہی طرز
عمل ہوتا ہے؟ کیا وہ بھی اپنے داماد اور لڑکی کو اسی طرح

نصیحتوں سے مالا مال کر کے رخصت کرتے ہیں؟ جب نکاح
اور عقد کو وہ سنت نبوی سمجھتے ہیں تو پھر اُس کی پوری تقلید
کرنے میں اُنہیں کیوں شرم آتی ہے۔ اُن کا فرض ہونا چاہیئے
کہ وہ لڑکے کو علیحدگی میں بلا کر حقوق زوجیت سے آشنا
کردیں، لڑکی کے فضائل اور اخلاق کا ذکر کرکے اُس کی محبت
وعظمت لڑکے کے دل میں پیدا کردیں، اُدھر لڑکی کو علیحدہ
بلا کر حقوقِ شوہر کی تلقین کریں۔ اور اطاعتِ شوہر و دیگر
اُمور خانہ داری کے متعلق تعلیم دیں کہ یہ تعلیم دونوں کے لئے
آگے چلکر مفید اور رہنمائے زندگی ہوگی۔ اور اس طرح سنت
نبوی کی پوری تقلید و تائید بھی ہوتی رہے گی۔

اُن مسلمانوں کو اس بارہ میں مزید توجہ کی ضرورت

ہے جو لڑکیوں کی رخصت میں ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتے
ہیں۔ جہیز وغیرہ کی زیادتی کو اپنی عزت سمجھتے ہیں۔ قسم قسم کے
لذیذ اور مُرغّن کھانے پکا کر زیر بار ہو جاتے ہیں۔ جائدادیں
رہن رکھدی جاتی ہیں۔ مکان بِک جاتے ہیں لیکن نام و نمود
کے سامنے ان باتوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ یہ
لوگ ذرا گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچیں کہ کیا ان کی عزت
ان کے نبی اور خدا کے پیغمبر کی عزت سے بھی زیادہ ہے، کیا وہ
صاحب عزت نہ تھے۔ یا اُن کے پاس بیت المال نہ تھا، اگر
اُن کے ایک ہمنشیں حضرت عثمان غنیؓ چاہتے۔ تو حضرت فاطمہؓ
کی شادی کی دھوم ساری دُنیا میں ہو جاتی اور اتنا جہیز ملتا
کہ مدینہ کے کسی گھر میں اُس کا سمانا مشکل ہو جاتا۔ لیکن جناب

رسول کریمؐ کو تو سادہ روی کی نظیر قائم کرنی تھی وہ تو جانتے
تھے کہ میری امت میں لڑکیاں بھی پیدا ہوں گی اور لڑکے بھی
پھر اُن کی شادیاں بھی ضرور ہوں گی۔ اس لیے انہوں نے وہ
کام دکھایا جو اپنی اُمت سے لینا چاہتے تھے۔

افسوس آج ہم ایسے ہو گئے کہ ہم نے جناب محمدؐ الرسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی کارناموں اور اُن کے اتباع کو
پس پشت ڈال رکھا ہے۔ ہم دُنیا کے دکھاوے کے لیے
اپنے خزانے خالی کیے دیتے ہیں۔ ہماری جائدادیں تلف
ہوئی جاتی ہیں۔ ہماری زندگیاں خراب ہوئی جاتی ہیں اور
ذراسی دیر کی واہ واہ کی امید پر ہم اتنی بڑی بربادی کا ذرا
بھی خیال نہیں کرتے۔

رسم و رواج کی زنجیریں ہمیں چاروں طرف سے کسے ہوئے
ہیں۔ اور ہم اُن کاموں کی طرف متوجہ ہیں جو شرعاً ممنوع
ہیں اور دوسری قوموں میں مقبول، گویا بالفاظ دیگر ہم اُمت
محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہیں بلکہ رسماً یا رواجاً
ہمیں ایسا کہا جاتا ہے۔ ہمارا مذہب حقیقت میں کچھ اور ہے
اور جن کی ہم تقلید کرتے ہیں۔ اُنہیں میں سے ہمیں ہونا بھی
چاہیئے۔ اسلام کی عزت و وقعت ہمارے دلوں سے محو ہو گئی
ہے اور دنیا کی شوکت و حشمت پر ہمارا دل بے طرح آیا ہوا ہے
لیکن ہمیں یہ خبر نہیں ہے کہ یہ جس قدر دلفریب دلچسپیاں
ہماری نگاہوں کے سامنے موجود ہیں سب کی سب فانی ہیں
اوران کو ذرا بھی بقا نہیں ہے دُنیا ایمان والوں کے لیئے

امتحان کی جگہ ہے۔ نہ کہ آرام کی۔ یہاں کے آرام عیش اور
عشرت سب دوروزہ ہیں اور حقیقی عزت و آرام آخرت میں
ہے جہاں ہم سب کو جانا ہے، اسی ضمن میں مجھے ایک روایت
یاد آئی جو لکھنے کے قابل ہے۔ روایت ہے کہ ایک روز
جناب سیدہ حضرت فاطمہ زہراؓ نماز پڑھ چکی تھیں اور مصلیّ بچھائے
ہوئے اُداس بیٹھی تھیں۔ افلاس کا صدمہ تھا ادھر بچوں
کی بھوک کا خیال تھا۔ کبھی سوچتی تھیں کہ خدا نے ہمیں دُنیا
میں ناحق پیدا کیا، نہ اچھا کپڑا نصیب ہے نہ پیٹ بھر کے روٹی
ملتی ہے، سر کی چادر میں بچیس پیوند لگے ہیں۔ اگر خدا ہمیں
پیدا ہی نہ کرتا تو اس کی خدائی میں کیا کمی آئی جاتی تھی حضرت
فاطمہؓ انہیں خیالوں میں اُداس بیٹھی ہوئی رو رہی تھیں کہ

ناگاہ جنابِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کنیز سے اجازت
لیکر گھر میں داخل ہو گئے اور اپنی بیٹی کا یہ حال دیکھ کر پوچھنے
لگے کہ بیٹی کیا ہے؟ اُداس کیسے بیٹھی ہو؟

حضرت فاطمہؓ اپنے والد کو دیکھ کر چونک پڑیں۔ حالت
کو سنبھالا، کھڑے ہو کر ادب سے سلام کیا اور عرض کرنے
لگیں کہ کچھ نہیں حضرت، یونہیں کسی بات کا خیال آگیا تھا۔

آپ حضرت خاتونِ جنت کا ہاتھ پکڑ کر وہیں بیٹھ گئے اور
فرمایا کہ فاطمہؓ میں جانتا ہوں تو جس وجہ سے اُداس ہے
اچھا اپنا مصلّٰی تو اُلٹ؛ حضرت سیدہ نے تعمیل ارشاد کی اور
مصلّٰی کا ایک گوشہ اُلٹ دیا۔ کیا دیکھتی ہیں کہ اُس کے نیچے ایک
نہر چاندی کی اور ایک نہر سونے کی بہہ رہی ہے۔ حضرتؐ نے

ارشاد فرمایا کہ فاطمہؓ لو جس قدر چاہو سونا لے لو اور جس قدر

چاہو چاندی لے لو۔ اب تمھارے اختیار میں ہے۔ اچھے سے

اچھا کھاؤ اچھے سے اچھا پہنو، محل بنواؤ، قلعے چنواؤ، نوکر چاکر

رکھو، غرضکہ جو چاہو کرو۔ مگر یہ خوب سمجھ لینا کہ آرام دنیا میں

تو صرف چند روز کے لیے ہے اور پھر عقبیٰ میں ملنے ملانے کو خاک

بھی نہیں ہے۔ یا تو دنیا میں لے لو یا عقبیٰ کے لیے رکھ چھوڑو۔

بہر حال جو کچھ تمھیں کرنا ہے جلدی کرو۔

حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ ابا جان میں اپنے خیالات سے

توبہ کرتی ہوں۔ اب کبھی ایسا خیال نہ کروں گی۔ مجھے

دنیا کی دولت نہیں چاہیے۔ یہ کہہ کر آپ نے مصلے کا

گوشہ سیدھا کر دیا۔

یہ ہے دنیا کے زر و مال کی حقیقت۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے
کہ الدنیا سجن للمومنین ط دُنیا مسلمانوں کے لیے قید خانہ
ہے پس قید خانے میں رہ کر اپنے اصلی گھر کے سے عیش
اُڑانے کی خواہش کرنا حماقت ہے یا نہیں۔ اگر ایک قیدی
معہ اپنی بیوی کے کسی قید خانے میں بند کر دیا جائے اور
اُس کی میعاد قید فرض کر لو پچاس برس ہو۔ اِس عرصہ
میں وہاں اُس کے اولاد بھی ہو جائے تو کیا اُس کو گوارا
ہو گا کہ وہ اُس کی شادی بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام
سے کرے۔ ہرگز نہیں۔ جب اُس کو خیال آئے گا کہ ہم، ہماری
بیوی، اور بچے سب کے سب اِس قید خانے میں قید ہیں اور ہمارا
اصلی گھر کوئی اور ہے تو اُس کی تمام خوشیاں مٹی ہو جائیں گی اور

وہ کسی قسم کی خوشی کو اپنے لئے گوارا اور مناسب نہ سمجھے گا۔

یہی حال ہمارا اپنا سمجھیے۔ دُنیا قید خانہ ہے اور ہم اُس میں قید ہیں۔ چونکہ میعاد قید ہمیں معلوم نہیں اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ جیل خانہ سے ہمارا چھٹکارا کب ہوگا اور اپنے گھر حقیقی (آخرت) کی طرف کب تک لوٹیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ہمیشہ یہیں رہیں۔ ایک روز واپس ضرور جانا ہے۔ جب یہ سب باتیں یقینی ہیں تو افسوس ہے اُن مسلمانوں پر جو ذراسی زندگی کے لیے اس قدر لوازمات اور تکلفات روا رکھتے ہیں اور دنیا کے رسم و رواج پر اپنی حقیقی خوشیاں قربان کیے دیتے ہیں۔

خانگی زندگی کا نمونہ

جب سیدۃ النساءؓ دلہن ہوگئیں تو حضرت علی کرم کے ساتھ رہنے سہنے لگیں۔ حضرت علی کرم فرماتے ہیں کہ فاطمہؓ جب تک زندہ رہیں مجھے اُن سے کبھی کوئی رنج نہیں پہنچا۔ اس سے جناب فاطمہ زہراؓ کی فرماں برداری کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ یوں شکر رنجی تو کس گھر میں نہیں ہوتی۔ مگر آج کل عورتوں اور مردوں میں جیسی چل جاتی ہے ویسی جناب فاطمہؓ اور حضرت علی کرم میں کبھی نہیں چلی۔ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کی خوشی کے خواستگار رہے۔ اور اہم سے اہم کاموں کو اپنے باہمی مشوروں سے طے کیا روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اگر کبھی ان دونوں میاں

بیوی میں بدمزگی ہو جاتی تھی تو آنحضرت صلعم خود نصیحتیں
فیصلہ کر دیتے تھے اور بات وہیں ختم ہو جاتی تھی چنانچہ علل الشرائع
میں حضرت فطانؓ سے روایت ہے کہ ایک روز اتفاق سے
جنابہ سیدہؑ اور حضرت علی کرمؑ میں کچھ بدمزگی ہو گئی تو حضور سرور
کائنات اُن کے گھر تشریف لے گئے اپنی بیٹی کو بائیں ہاتھ پر
اور داماد کو سیدھے ہاتھ پر بٹھا کر دیر تک سمجھاتے رہے اور پھر
باہم مصالحت کرا دی۔ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات
کوٹھوں چڑھ جاتی ہے میاں بیوی میں ذرا شکر رنجی ہوئی اور
سُسرال اور میکے والوں میں غیض و غضب کی بجلیاں کوندنے
لگیں۔ بیٹی نے میکے سے ماں کو بلوایا۔ اگر شوہر اکیلا ہے تو بیچارے
کی کمبختی آ گئی۔ سات پانچ نے ملکر ایک کو دبا لیا اور جو کُنبے والا

پھر تو دونوں گھرانوں میں چلنے لگی۔ اہل محلہ میں بات پھوٹی،
اُنھوں نے پر کا کبوتر بنا لیا۔ کسی نے شوہر کو قابل الزام ٹھہرایا
کسی نے بیوی کو۔ غرضکہ دونوں دم بھر میں بدنام ہو گئے۔ اگر
بال بچے ہیں تو بچوں نے ماں باپ سے خانگی لڑنے جھگڑنے کا
گویا طریقہ سیکھا اب وہ آگے چلکر ایسا ہی کریں تو اُن کا کیا قصور
ہے۔ اگر آپس میں ایسا جھگڑا فیصل نہیں ہوتا تو شدہ شدہ عدالت
کی نوبت آجاتی ہے۔ اب کچہری میں حاکم کے سامنے میاں بھی
کھڑے ہیں بیوی بھی کھڑی ہیں اظہار ہو رہے ہیں اور غیر و نامحرم
لوگ کھڑے ہوئے تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اگر والدین سمجھانے
سُجھانے کو اپنا فرض سمجھیں اور قبل وداع دولھا دُلھن کو خاص
خاص باتیں سمجھا دیا کریں یا جھگڑے کے وقت خود پہنچکر اُن کی

شکایتوں کو رفع کرنے کی کوشش کریں تو بدنصیب میاں بیوی

کو یہ روز بد دیکھنا نصیب ہو۔

حضرت فاطمہؓ کبھی اپنے شوہر اور بچّوں سے پہلے کھانا نہیں

کھاتی تھیں۔ جب سب کا پیٹ بھر جاتا تو جو کچھ باقی بچتا اُسی

کو صبر و شکر سے کھا لیتیں۔ بھوکی رہ جاتیں تو اُس کا گلہ کیا

کسی سے ذکر بھی نہیں کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ گھر والوں کو بھی معلوم

نہ ہوتا کہ آج فاطمہؓ نے پیٹ بھر کر روٹی کھائی ہے یا نہیں۔

یہاں اُن عورتوں کو توجہ دلانے کی ضرورت ہے جو اپنے

شوہروں اور بچّوں سے پہلے اپنا پیٹ بھر لیتی ہیں۔ شوہر یا بچے

بھوکے رہیں تو اُنہیں کچھ پروا نہیں اپنی لگی بجھانے سے کام رہتا

ہے۔ بعض چٹوری عورتوں میں یہ عادت بھی ہوتی ہے کہ شوہر

باہر گیا ہوا ہے دروازہ پر کسی میوہ فروش یا کسی اور خوانچہ والے
نے آواز دی اور یہ دوڑی ہوئی آئیں یا کسی بچہ کو بھیدیا اور
جو کچھ چاہا منگوایا۔ کھایا۔ اور شوہر کی پرواہ بھی نہ کی۔ یاد رکھو
یہ طریقہ شرافت سے بہت بعید ہے۔ مسلمان خواتینِ سلف کی
زندگی میں کوئی واقعہ ایسا نہ پاؤ گی کہ وہ خود دروازہ پر آکر خرید
فروخت میں مصروف ہوئی ہوں یا اپنے شوہر کے بعد انہوں نے
کوئی چیز خرید کر یا منگواکر کھائی ہو۔ یہ بہت ہی بُرا طریقہ ہے
اس سے شریف عورتوں کو چاہیے کہ بالکل پرہیز کریں اور گھر
میں بھی کھانا اُس وقت کھانا چاہیے جبکہ شوہر سیر ہو جائے
اور بچے کھالیں۔ کہ یہ ہی طریقہ حضرت فاطمہؓ کا تھا جس کی
تقلید تمام مسلمان عورتوں کو کرنی لازم ہے۔

حضرت سیدہ۔ نبی زادی تھیں اور نبی اللہ کی صحبت میں
ساری عمر گذاری تھی۔ اس لیے خُلق نبوی کی پوری جھلک
آپ میں موجود تھی۔ خیرات کرنا اور مساکین کو کھانا کھلانا آپکی
عادت میں داخل تھا چنانچہ ذیل کی دو روایتوں سے
آپ کی خدا پرستی اور مسکین نوازی کا پورا پورا ثبوت مل سکتا
ہے مسلمان بیبیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے روزانہ طرز عمل میں
حضرت سیدہ کے کاموں کی جھلک پیدا کریں۔ اس نئی روشنی
کے زمانہ میں جبکہ اعلیٰ تعلیم نے ہمارے اسلاف کے کارنامے ہمارے
دل سے دھو ڈالنے کی کوشش کی ہے اہلبیت رسول اللہ
کے طرز عمل کو نمونہ بنا کر پیش کرنا ہمارا اسلامی فرض ہے۔

سائل نوازی

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جماعت بنی سلیم
میں سے ایک دن ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور
سامنے آکر کہنے لگا کہ "کیا وہ محمدؐ جادوگر تو ہی ہے جس کا سایہ
کبھی زمین پر نہیں پڑتا"؟ رسول اللہ صلعم کے آس پاس بہت
سے صحابہؓ موجود تھے اُن میں سے حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اُس
آنے والے شخص کے سوال کا جواب تلوار سے دیا جائے لیکن
آنحضرت صلعم نے اشارہ سے منع کر دیا۔ اور اُس شخص سے فرمایا
کہ بھائی خفا کیوں ہوتا ہے عذاب آخرت اور نار دوزخ سے
ڈر خدا کا خوف کر۔ اور اُس کی پرستش کر جس کا کوئی شریک نہیں

جو سب کا معبود ہے اِن الفاظ کا اُس کے دل پر کچھ ایسا اثر
ہوا کہ وہ فوراً قدموں پر گر کر مسلمان ہو گیا۔
حضرت رسالت مآب کے حکم سے اُسے کچھ آیتیں قرآن مجید
کی سکھائی گئیں جس کے بعد آنحضرت صلعم نے اُس اعرابی سے
سوال کیا کہ تیرے پاس کتنا مال ہے اعرابی بولا یا رسولؐ اللہ
میرے قبیلہ میں چار ہزار آدمی ہیں۔ لیکن میں اُن سب میں زیادہ
غریب ہوں آپ نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اگر تم
میں سے کوئی شخص اسے ایک اونٹنی دلا دے تو اللہ اِس کا
اجر دے گا۔ چنانچہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے یہ خدمت اپنے
ذمہ لی۔ اِس کے بعد سرورِ کائنات نے فرمایا کہ اب تم میں سے
کون ہے جو اس کا سر ڈھک دے۔ اور خوشنودی خدا

کا حق دار ہو۔ یہ سُنتے ہی حضرت علی کرم نے اپنا عمامہ اُتار کر اُس
اعرابی کے سر پر رکھ دیا۔ زاں بعد حضور انور نے فرمایا کہ اب
اِس کی خوراک وغیرہ کا سامان کرنا چاہیئے۔ اِس حکم کی تعمیل کے
لیے حضرت سلمان رضؓ اُٹھے اور اعرابی کو ساتھ لیکر گرد و نواح
کے گھروں پر جاکر آواز لگائی لیکن سب جگہ سے خشک جواب
پایا آخر اُن کی نگاہ حجرۂ بنت الرسول سیدہ فاطمۃ الزہرا
رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر پڑی۔ جہاں پُہنچکر اُنہوں نے دروازہ
کھٹکھٹایا آواز آئی کون؟ عرض کیا سلمان! پوچھا کیوں آئے
ہو۔ حضرت سلمان رضؓ نے تمام واقعہ اُس اعرابی کا کہہ سُنایا۔
اور عرض کیا کہ اب اِس کی خوراک کا انتظام کرنے نکلا ہوں
لیکن جس گھر پر جاکر آواز دی وہیں سے جواب خشک ملا۔

اور یہی غرض اس دولت پر آئی لائی ہے۔ سیدہ پاک
نے جس وقت یہ سُنا آنکھوں میں آنسو بھر لائیں اور فرمایا کہ
اے سلمانؓ، قسم ہے پروردگار عالم کی کہ جس کے قبضہ قدرت
میں میری اور تیری جان ہے میں، حضرت علی کرم اور میرے بچے
آج تین روز سے فاقہ کر رہے ہیں۔ بچے بھوک کے مارے بلکتے
بلکتے ابھی سوئے ہیں لیکن سائل کا سوال رد کرنا میری طبیعت
اور عادت کے خلاف ہے۔ تو میری چادر لے اور شمعون یہودی
کے پاس جا۔ اُس سے کہنا کہ فاطمہؓ بنت محمدؐ الرسول اللہ کی
یہ چادر ہے تو اِسے رکھ لے اور تھوڑی سی جنس بطور
قرض دیدے۔

حضرت سلمانؓ چادر لیکر معہ اُس اعرابی کے شمعون کے

پاس آئے، اور اُس سے تمام ماجرا بیان کیا۔ شمعون بنت
رسول اللہؐ کی چادر کو بار بار غور سے دیکھتا تھا اور روتا
تھا۔ آخر اُس سے نہ رہا گیا اور وہ کہنے لگا کہ "اے سلمانؓ
یہ ہی ہیں وہ لوگ جن کی خبریں توریت میں ہمارے پیغمبر
موسیٰؑ نے دی ہیں۔ فاطمہؓ کے باپ پر ایمان لاتا ہوں۔
تو گواہ رہنا"

یہ کہہ کر اُس نے چادر نہایت ادب و احترام کے ساتھ
واپس کر دی اور تھوڑا سا اناج دیا۔ حضرت سلمانؓ نے
اُسے کلمہ شہادت پڑھایا اور اناج لیکر پھر جناب سیدہ کے
مکان پر حاضر ہوئے ماجرا کہا۔ سیدۃ النساءؓ نے اناج فوراً
پیسا۔ گوندھا۔ روٹی پکائی اور اُس اعرابی کو حضرت سلمانؓ کے

ذریعے سے پیٹ بھر کے کھلائی۔

حضرت سلمانؓ نے عرض کیا کہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے تھوڑی روٹی اپنے بچوں کے لیئے بھی رکھ لیجئے آپ نے فرمایا "نہیں سلمانؓ! جو چیز میں خدا کی راہ پر دے چکی ہوں اُس میں سے ذرہ بھر لینا بھی مجھے حرام ہے"

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز ایک وقت کے بعد ہم سب کو کھانا نصیب ہوا والد صاحب اور ہم دونوں بھائی کھا چکے تھے۔ والدہ صاحبہ جنابہ فاطمہ زہراؓ نے ہنوز نہیں کھایا تھا اور کھانے کے لیئے نوالہ توڑا ہی تھا۔ کہ دروازے پر آکر سائل نے آواز دی۔

"بنت رسول اللہ کو سلام! میں دو وقت کے فاقہ سے

ہوں میرا پیٹ بھر دو"

آپ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدہ نے کھانے سے فوراً ہاتھ
روک لیا اور مجھ سے کہا کہ جاؤ یہ کھانا سائل کو دے آؤ میں نے
تو ایک ہی وقت کھانا نہیں کھایا ہے اور اسے دو وقت
کا فاقہ ہے۔ اللہ اللہ سے

سر دیتے ہیں سائل کو جو بندے ہیں خدا کے
بھر دیتے ہیں فاقوں میں بھی کاسے فقرا کے

اب غیرت مند بیبیاں غور فرمائیں کہ اُن کے گھروں میں
خیرات کا کیا طریقہ ہے۔ اول تو خیرات کے مستحق لوگ ہی کم
ہیں دوسرے اگر ہیں بھی تو اُنہیں ایک سوال پر سو جھڑکیاں
سننی پڑتی ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف میں وَاَمَّا السَّائِلَ

فَلَا تَنْهَرْ ۔ محض اسی لیے آیا ہے کہ سوال کرنے والوں
کو جھڑکیاں ہرگز نہ دو۔
خیرات کرنا اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے،
جو بی بیاں باوجود قدرت رکھنے کے محتاجوں اور مسکینوں کو
خیرات دینا پسند نہیں کرتیں اُنہیں چاہیئے کہ وہ پیغمبر خدا
کی بیٹی حضرت سیدۃ النساؓ کے واقعات زندگی سے سبق حاصل
کریں اور خیرات کرنا سیکھیں۔
یہ جو آج کل گداگروں نے مانگنے اور سوال کرنے کو پیشہ
سمجھ لیا ہے اِس کی وجہ سے خیرات کے مُستحق و حقدار لوگ
اور بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خیرات دینا جو
تندرست ہوں، جن کے ہاتھ پاؤں چلتے ہوں، جو جوان

ہوں، ہٹے کٹے ہوں خیرات میں داخل نہیں ہے۔ ان لوگوں کا تو صبح سے شام تک یہی شغل رہتا ہے۔ وہ اسے اپنا فرضِ زندگی اور کارِ منصبی سمجھتے ہیں اور جب کوئی اُن سے کہتا ہے کہ محنت مزدوری کرو اور اکلِ حلال کھاؤ تو وہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ میاں "خدا نے کھانے کو تو بلا جائے کمانے کو"۔

خیرات ایسے لوگوں کو دینا چاہیے جو محتاج ہوں اپاہج ہوں۔ لولے لنگڑے ہوں۔ اندھے ہوں جن کا کوئی والی وارث نہ ہو۔ جو ضعیف و نحیف ہوں مسکین ہوں۔ بیمار ہوں یتیم ہوں۔ قیدی ہوں وغیرہ وغیرہ۔ ان کے دینے سے خیرات اپنے صحیح معنوں میں خیرات کہی جاسکتی ہے۔ اور ایسی ہی خیرات خدا کے یہاں مقبول اور قابلِ اجر بھی ہے

پڑوس میں جو لوگ غریب، نادار، مفلس، یا محتاج
ہوں اُن کا حق بھی خوش حال ہمسایہ پر ضرور ہے۔ اور اُن
سے زیادہ عزیز و اقارب مُستحق خیرات ہیں جو اپنی غیرت
اور شرم کی وجہ سے کسی سے نہ سوال کر سکتے ہیں نہ مانگ سکتے
ہیں، اُن کا خیال مقدم سمجھنا چاہیے۔ "اول خویش بعدہٗ
درویش"، یہ ایک مشہور مثل ہے۔ محتاج عزیز و اقارب کے
بعد نادار ہمسایوں کا حصہ ہے اور ان کے بعد عام مساکین کا۔
غرض یہ ہے کہ خیرات کرنا فرض ہے اور اُس کے حقدار
صرف محتاج اور لاوارث لوگ ہیں۔ جن کی بدقسمتی سے
مسلمانوں میں کمی نہیں ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا صاحب اولاد ہونا

۱۵ رمضان المبارک ۳ھ کو جناب امام حسنؓ آپ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بی بی اسماء بنت عمیسؓ دایہ گری کی خدمت پر مامور تھیں۔ آپ کا نام جناب سرورِ کائنات نے حسنؓ رکھا۔ عقیقہ ہوا دو مینڈھے قربان کیے گئے۔ اور سر کے بالوں کی برابر چاندی خیرات کی گئی۔

پھر کچھ کم سال بھر کے بعد۔ ۵۔ شعبان المکرم ۴ھ کو حضرت امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے اور آپ کی ولادت پر بھی ویسی ہی خوشی منائی گئی۔ جیسی کہ بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ کی ولادت کے وقت منائی گئی تھی۔ لیکن چھٹی

چلّے کی رسمیں جیسی کہ آج کل عام طور پر مروّج ہیں کسی بچّہ کی ولادت کے موقعہ پر عمل میں نہیں آئیں صرف عقیقہ اور ختنے کی رسمیں ضرور ادا ہوتی رہیں۔ اور یہی مسنون بھی ہیں۔

محسنؑ، زینبؓ، ام کلثومؓ، اور رقیہؓ یہ چار بچّے بھی آپ ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اور ان سب بچوّں کے ہونے پر کوئی کام ایسا نہیں کیا گیا جو تہذیب معاشرت سے گرا ہوا ہو۔ چھٹی کے دن آج کل بڑی دھوم دھام ہوتی ہے۔ کھانا پکتا ہے۔ گانا ہوتا ہے۔ اور خدا جانے کیا کیا رسمیں فضول ہوتی ہیں۔ ایسی فضول باتیں بالعموم قابل ترک ہیں۔

سیدۃ النسا کی فضیلت

بار ہا جناب رسول کریمؐ نے فرمایا کہ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو اُس سے محبت رکھے گا وہ میرا دوست ہے اور جو اُس سے محبت نہ رکھے گا وہ میرا دشمن ہے۔ جب حضور سرور کائنات کہیں سفر کو تشریف لے جاتے تھے تو ملنے جُلنے والوں میں سے سب سے پیچھے سیدۃ النساؓ سے ملتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو سب سے پہلے اُن سے ملتے تھے۔

حضرت فاطمہؓ عادت میں اطوار میں رفتار میں گفتار میں غرض کہ ہر طرح جناب رسول اللہ صلعم سے بالکل مشابہ

تھیں، جس وقت آپ آتیں تو حضور انور کھڑے ہو جاتے
تھے، ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیتے تھے اور بوسہ دیتے تھے۔ اور
جب آنحضرت صلعم تشریف لاتے تھے تو جناب فاطمہؓ کھڑی ہو کر
تعظیم دیتی تھیں اور دست مبارک کو بوسہ دیکر اپنی جگہ
بٹھاتی تھیں۔ حضرت رسالت مآب فرمایا کرتے تھے کہ کوئی
عورت فردوس کے باغوں میں داخل نہیں ہو سکتی جب تک
کہ فاطمہؓ داخل نہ ہو جائے۔ تمام اہلبیت اطہار سے نہ صرف
اس لیے کہ وہ پیغمبرؐ کی بیٹی تھیں بلکہ اس لیے کہ اپنے اطوار
و عادات میں تمام دنیا کی عورتوں پر فائق تھیں۔ حضرت
فاطمہؓ کا درجہ افضل ہے۔

بیٹی کی ممتا اور باپ کی محبت

جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرت فاطمہؓ کو
بے حد چاہتے تھے۔ اسی طرح حضرت فاطمہؓ اپنے بزرگ
باپ سے بیحد محبت کرتی تھیں۔ اُحد لی لڑائی میں جب سرورِ
کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سخت زخمی ہوئے حتیٰ کہ مدینہ
کی گلیوں میں آپ کی شہادت کی خبر اُڑ گئی تو مدینہ کی چودہ
عورتیں بغرض دریافت حال میدان جنگ کو روانہ ہوئیں
جن میں سے ایک حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلعم بھی تھیں
وہاں پہنچکر آنحضرتؐ کو زخموں کی تکلیف سے خاک پر بیہوش
پایا۔ جناب سیدہ نے باباجان کا سر مبارک اپنے زانو پر

رکھ لیا اور رونے لگیں۔ حضرت علیؓ پانی بھر بھر کر لاتے تھے
اور جنابہ سیدہ آپ کے خون آلود چہرۂ مبارک کو دھو دھو کر
صاف کرتی تھیں۔ اور زخموں میں بوریہ جلا کر اُس کی راکھ
بھر بھر دیتی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کو ہوش آیا اور آپ نے
تسکین آمیز کلمات فرما کر سب کو رخصت کیا۔

صبح کے وقت حضور سرورِ کائنات جب نماز کے لیے مسجد
نبوی میں تشریف لاتے اور حضرت فاطمہؓ کی چکی کی آواز
کانوں میں آجاتی تو آپ بے اختیار ہو کر خدا سے دُعا کرتے
کہ الہٰی فاطمہؓ کو اس کی ریاضت و قناعت کا اجر دے اور
اُسے حالتِ فقر میں ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما۔

ریاضت و مشقت

جنابِ فاطمہؓ نہایت اطاعت گذار، اور حکم بردار بی بی تھیں، تہجد گزار تھیں۔ اور دن رات خدا کی عبادت یا شوہر کی اطاعت میں مصروف رہتیں۔ چکی پیستے پیستے آپ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ چکی پیستے وقت بھی آپ آیاتِ قرآنی کا ورد رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ اپنے والد کے پاس بیٹھی تھیں بوقت استفسار آپ نے فرمایا کہ قسم ہے پروردگار عالم کی پورے پانچ برس ہو گئے۔ میرے اور میرے خاوند کے پاس بکری کی کھال کے سوا اور کوئی چیز بچھانے کے لیئے نہیں ہے۔

ایک بار جنابِ رسالت مآب نے پوچھا کہ "فاطمہؓ بھلا بتاؤ تو سہی عورت کی سب سے بہتر صفت کیا ہے"؟ حضرت فاطمہؓ نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ یارسول اللہ عورت کی بہترین صفت یہ ہے کہ وہ ارادتاً کسی غیر مرد کو نہ دیکھے۔ اور نہ کوئی غیر اُسے دیکھنے پائے۔ یہ سُن کر حضرتؐ نے سیّدہ کو گلے سے لگا لیا۔

حضرت امام حسنؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی ماں سیّدہ فاطمہؓ کو شام سے صبح تک خدا کے سامنے گریہ و زاری کرتے دیکھا ہے آپ جب دُعا مانگتی تھیں تو اُس میں خاص اپنے لیے کوئی درخواست نہیں کرتی تھیں۔ جب حضرت سرورِ کائنات فرماتے کہ اے بیٹی اس پر غرور نہ کرنا

کہ میں پیغمبر کی بیٹی ہوں مجھ سے قیامت کے دن باز پرس
نہ ہوگی۔ نہیں بلکہ خدا کے گھر میں اعمال کی پرسش ضرور ہوگی
وہاں حسب نسب کچھ کام نہ آئے گا۔ تو آپ زار و قطار روتیں
اور عبادت الہٰی میں اور بھی زیادہ مصروف ہو جاتیں۔

تمام گھر کا کام کاج آپ اپنے ہی ہاتھوں کرتی تھیں کبھی
کبھی آپ مسجد نبوی میں بیٹھ کر وعظ بھی فرمایا کرتی تھیں۔
جہاں ہزاروں عورتیں آپ کی تعلیم سے مستفیض ہوتی تھیں
آپ کے علم کی عرب میں دھاک بندھی ہوئی تھی اور بقول
بعض آپ کبھی کبھی ایک آدھ شعر بھی موزوں فرمالیا کرتی
تھیں۔
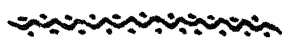
قبولیتِ دُعا

آپ کثرتِ ریاضت و عبادت کی وجہ سے درگاہِ خدا
میں مستجاب الدعوات ہوگئی تھیں۔ یعنی آپ کی دُعائیں خدا
بہت جلد قبول فرما لیتا تھا۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے
کہ عید کا دن تھا۔ آپ نمازِ فجر پڑھ کر چکّی پیس رہی تھیں۔ حضرت
حسنین علیہم السّلام باہر کھیل رہے تھے، کھیلتے کھیلتے گھر میں آئے
اور خاتونِ جنت سے لپٹ کر کہنے لگے کہ اماں! کیا
تمھیں خبر نہیں آج عید کا دن ہے۔ عیدگاہ میں ہمارے
نانا جان کا خطبہ پڑھا جائے گا۔ قریش کے لڑکے اچھی اچھی
پوشاکیں پہنکر اور اونٹوں پر سوار ہو کر عیدگاہ کو جارہے ہیں اور

ہم یونہیں میلے کچیلے پھر رہے ہیں۔ لاؤ ہمیں بھی اچھے اچھے کپڑے پہنا دو۔ اور نہلا دُھلا کر سنوار دو۔ کہ ہم بھی عیدگاہ جائیں۔ خاتونِ جنت بچّوں کی ان بھولی باتوں پر بہت زیادہ کُڑھیں۔ بُھتیرا کہا کہ اچھا بیٹھو ہم چکی پیس لیں تو تمھیں کپڑے پہنائیں۔ لیکن بچّے کب مانتے تھے اپنی ضد سے باز نہ آئے آخر آپ نے چکّی بند کی۔ بچّوں سے کہا تم جاؤ اور نہاؤ۔ درزی کپڑے لاتا ہوگا۔ اُنہیں تو یہ کہکر ٹال دیا وہ نہانے میں مشغول ہوگئے اور آپ مصلّٰے بچھا کر گریۂ وزاری میں مصروف ہوگئیں اور رو رو کر خدا کی جناب میں عرض کرنے لگیں کہ "یا الٰہا میری عزّت و شرم تیرے ہی ہاتھ ہے، بچّے نئے کپڑے مانگ رہے ہیں۔ اور یہاں پیوند لگے بھی میسر نہیں۔ میرے

بچوں پر رحم کر غیب سے کچھ سامان کر دے اور ان بھولے
نادان بچوں کا دل رکھ لے۔ تو غنی ہے مسبب الاسباب ہے
تیرے گھر میں کسی بات کی کمی نہیں ہے۔ یہ تیرے رسولؐ کے
نواسے ہیں۔ سبطین رسول اللہ کہلاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو
کہ ان کا دل میلا ہو جائے۔ قریش کے لڑکے ان کی مفلوک
الحال پر ہنسیں اور تیرے سچے رسولؐ کے غریب نواسوں کو
حقارت کی نظر سے دیکھیں۔ میں تجھ سے اپنے لیے کچھ نہیں
مانگتی۔ حسنینؑ کی طرف سے سوال کرتی ہوں۔ میرا
سوال پورا کر۔"

کہتے ہیں کہ ہنوز دُعا ختم نہ ہوئی تھی کہ دروازہ پر کسی نے
آواز دی، "یہ کپڑے لے جاؤ۔" بچے جلدی جلدی دوڑے

جا کر دیکھا کہ ایک اعرابی جو صورت شکل میں درزی معلوم ہوتا تھا۔ ایک خوان لیے کھڑا ہے جو ڈھکا ہوا ہے۔ یہ خوان لیکر جلدی سے واپس آئے وہ سلام کرکے رخصت ہوا۔ سیدۃ النسا سجدہ میں پڑی ہوئی تھیں کہ جناب حسین علیہ السلام کہنے لگے۔ "اماں اُٹھو درزی ہمارے کپڑے لے آیا۔ لو ہمیں جلدی سے پہنا دو"

حضرت سیدہ خدا کا شکر کرتی ہوئی اُٹھیں۔ اور بچوں کو کپڑے پہنا کر عیدگاہ کی جانب رخصت کر دیا۔ اسی طرح بہت سے مواقع پر جناب سیدہ کی دعائیں مقبول ہوئی ہیں۔

ایک مرتبہ جناب رسول کریمؐ پر کوئی آیت نازل ہوئی

جس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور دوزخ کی آگ نہایت تیز و تند ہے اس آیت کے نزول سے جناب سرورِ کائنات پر غشی سی طاری ہو گئی اور آپ روتے روتے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اصحابِ رسول اللہ نے بہت سنبھالا اور اطمینان دلایا۔ لیکن آپ کی حالت نہ سنبھلی۔ آخر جناب سیدہ کو اطلاع دی گئی۔ آپ حاضر ہوئیں۔ باباجان کی یہ حالت نہ دیکھی گئی۔ اور بے اختیار گریہ و زاری شروع کر دی۔ یہاں تک کہ روئیں کہ آپ کے کپڑے تمام بھیگ گئے، سر سجدہ میں جھک گیا آپ روتی جاتی تھیں اور بارگاہِ احدیت میں عرض کرتی جاتی تھیں کہ "الٰہ العالمین تو نے تو میرے باباجان کو رحمۃ للعلمین بنا کر دنیا میں بھیجا ہے پھر یہ تہدید کیسی تو تو رحیم

ہے۔ کریم ہے میرے بابا جان کا حال اس آیت شریف سے بہت زیادہ غیر ہو گیا ہے۔ تو ہی ان کو تسلی دینے والا ہے اور تو ہی دے گا۔"

جب آپ کی گریہ وزاری حد سے گزر گئی تو جناب رسولؐ کریم پر دوسری وحی نازل ہوئی اور ارشاد ہوا کہ۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ

(تحقیق رحمت اللہ کی قریب ہے نیکی کرنے والوں سے)

آپ اس آیت کے نازل ہوتے ہی خوش خوش کھڑے ہو گئے، دیکھا کہ قریب ہی میں جناب سیدہ بھی مصروف گریہ وزاری ہیں۔ فوراً بیٹی کو گلے سے لگایا اور خدا کا پیغام سنایا کہ "پیاری بیٹی اٹھو خدا نے تمھاری دعا قبول کر لی اور کہلا بھیجا کہ" احسان کرنے والوں یا نیکی کرنے والوں سے

تو ہماری رحمت بہت ہی قریب ہے۔ بس اب زیادہ پریشان

نہ ہو جاؤ اور خدا کا شکر کرو۔

محبّت پدری

ایک روز جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے

ہوئے تھے۔ حاضرین پر خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ سامنے سے

حضرت علی کرم نمودار ہوئے اور آتے ہی قدمبوس ہوئے۔ ابھی

اپنی جگہ بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ حضور سرور کائنات نے دریافت

کیا۔ "کیوں علی کرم تم نے کبھی ہمیں دیکھا بھی ہے؟"

عرض کیا یا رسول اللہؐ میری جان اور میرے ماں باپ

آپ پر قربان ہو جائیں میں نے آپ کو دیکھنے کی طرح دیکھا ہے

جنگ اُحد میں، جنگ بدر میں، جنگ حنین میں، غرضکہ بڑے بڑے معرکوں میں مَیں حضور کی دلیری شجاعت اور نبوت کی نشانیاں دیکھ چکا ہوں اور اپنی خوش نصیبی سے ہر وقت حضور کے پا برکاب بھی رہتا ہوں اور اس وقت بھی حضور کو دیکھ رہا ہوں۔

جنابِ رسالتمآب نے فرمایا کہ "نہیں، علیؑ! تم نے ہمیں نہیں دیکھا۔ نہیں دیکھا۔ نہیں دیکھا" اِن الفاظ میں کچھ ایسا اثر تھا کہ جناب علیؑ کرم کو فوراً بخار ہو گیا۔ آپ کانپنے لگے اور اجازت لیکر گھر چلے آئے۔ جناب سیدہ سے پورا واقعہ بیان کیا۔ اور رونے لگے، جناب سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو ایک کمبل اُڑھا دیا۔ آپ لیٹ گئے

سیّدہ نے ایک کنیز کو بُلا کر حضور سرورِ کائنات کی خدمت میں بھیجا کہ بابا جان سے کہو اگر فرصت ہو تو ذرا کھڑے کھڑے ہو جائیں۔ کنیز گئی اور پیام پہنچایا۔ آپ اُسی کے ہمراہ مسجد نبوی سے اُٹھ کر چلے آئے، گھر پر آ کر پوچھا کہ فاطمہؓ کیوں بلایا ہے۔ بنت الرسولؐ نے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ "بابا جان آج آپ نے میرے علیؑ کا دل توڑ دیا۔ نہیں معلوم کیوں سُنار ہو گیا ہے اب میری خاطر سے اُنہیں اپنا جمال باکمال دکھا ہی دیجئے" جنابِ رسولؐ کریم اُسی وقت صحنِ مکان میں کھڑے ہو گئے ایک ہاتھ دوشِ فاطمہؓ پر رکھا اور فرمایا کہ علیؓ آؤ اس ہاتھ کے نیچے سے نکل کر ہمیں دیکھو۔ حضرت علی کرم نے ایسا ہی کیا جس وقت سامنے آئے بیہوش ہو کر گر پڑے

اور جب ہوش میں آئے تو فرمانے لگے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں نے
اس سے پہلے حقیقت میں آپ کو نہیں دیکھا تھا۔"

اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور انور کو جناب
سیدہ کی کتنی خاطر داری منظور تھی۔ یہ سوال اوروں سے بھی
ضرور کیا گیا اور اُن سب کو جواب بھی یہی دیا گیا تھا لیکن
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس خاطر سے جمال با کمال کے حقیقی جلووں
سے سرفراز صرف جناب علی کرم اللہ وجہہ ہی کیے گئے۔

سیدۃ النساء جس کی سفارش حضورؐ سے کرتی تھیں۔
اُس شخص کو حضور معاف فرما دیا کرتے تھے اور جناب رسول کریمؐ
اکثر فرمایا کرتے تھے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے دل کا ٹکڑا ہے۔

حضرت فاطمہؓ زہرا کا درجہ آئین اسلام میں اور بعض روایتیں

سب سے بڑا اور اعلیٰ شرف جو آپ کو عام طور پر حاصل ہے وہ یہ ہے کہ آپ جناب رسولؐ کریم کی بیٹی ہیں۔ آپ نے اُن کے سایۂ نبوت و عطوفت میں پرورش پائی ہے اور اُن کے خون سے آپ کا خون ملا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ جناب رسول کریمؐ آپ کو "جنت کی عورتوں کا سردار" فرمایا کرتے تھے۔ آپ ایک نبی کے صلب سے پیدا ہوئیں اور آپ کے بطن سے وہ لوگ پیدا ہوئے جو امام کہلائے۔ سید الشہدا

کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ اور ایسے بزرگ تولد ہوئے جن کی

وجہ سے اسلام آج تک قائم ہے۔ سادات عالم کا سلسلہ

آپ ہی پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ اور آپ کے بعد جناب سالت

مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

آپ سے بہت سی روائتیں منسوب ہیں جن میں سے

ہم دو ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت سیدۃ النساؓ فرماتی ہیں ایک روز حضور سرورِ

کائنات میرے پاس بیٹھے تھے کہ ایک خادمہ حاضر ہوئی

اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ میں آپ پر قربان۔ میرے آقا

تو تجارت کے لیے پردیس گئے ہوئے ہیں اور میرے آقا کی بیوی

اپنے گھر میں تنہا ہیں وہ مکان کے بالائی حصہ میں رہتی ہیں اور

نیچے اُن کے بوڑھے والدین آباد ہیں۔ میرے آقا چلتے وقت
کہہ گئے تھے۔ کہ بیوی "جب تک میں نہ آجاؤں کوٹھے سے
قدم نہ اُتارنا" اور اب حال یہ ہے کہ بیوی کے باپ سخت
علیل ہیں اور اُن کی ماں بھی بیمار ہے۔ کوئی اتنا نہیں
ہے کہ ہر وقت اُن کی نگرانی کرے۔ اس لیے بیوی نے
پوچھا ہے کہ حضور اجازت دیں تو میں اوپر سے نیچے اُتر آؤں
اور اپنے ماں باپ کی خدمت کروں۔

جناب سیدہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے اُس کنیز
کو اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہہ دے
جب تک تیرا میاں نہ آجائے خبردار نیچے قدم نہ اُتارنا یہ
سُنکر وہ چلی گئی۔ اور کوئی دو گھنٹے کے بعد پھر آئی اور

عرض کرنے لگی کہ حضور اب تو بیوی کے باپ جاں کنی کی حالت
ہیں حضور اجازت دیدیں تو وہ نیچے اُتر آئیں"۔ آپ نے
فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہدو کہ اگر وہ خدا اور اُس کے رسولؐ
کی خوشنودی چاہتی ہے۔ تو چاہے اُس کا باپ مر ہی کیوں
نہ جائے مگر اُس کو بغیر اجازت شوہر اوپر سے نیچے قدم
نہ اُتارنا چاہیے۔
کنیز چلی گئی۔ اور اُلٹے پاؤں واپس آ کر پھر عرض پیرا ہوئی
کہ حضور بیوی کے والد تو انتقال کر گئے ماں بھی جاں بلب ہے
اب تو حضور اجازت دیدیں۔ بیوی اوپر پڑی پڑی رو رہی
ہیں لیکن اپنے ماں باپ کے آخری وارسے بھی محروم ہیں
جناب رسولؐ کریم نے فرمایا۔ کہ لڑکی! اچھی طرح سُن لے

اور یاد رکھ کہ جب تک اُس عورت کا شوہر خود آکر اسے نیچے
اُترنے کی اجازت نہ دیدے، چاہے جو کچھ ہو جائے اُس کو
ہرگز نیچے اُترنا جائز نہیں ہے۔ جا اور کہدے کہ خدا اور رسول
اور اپنے شوہر کی فرماں برداری کر۔ تجھے اس کا اجر ملے گا۔
وہ لڑکی بیچاری پھر چلی گئی۔ جناب سیدہ فرماتی ہیں کہ ایک
عشرہ کے بعد وہ کنیز میرے پاس آئی تو میں نے پوچھا کہ کہو
تمھاری بیوی کا اب کیا حال ہے۔ وہ کہنے لگی۔ "قربان جاؤں
یا بنت رسولؐ اللہ۔ اُن کے ماں باپ تو اُسی روز مر گئے۔
دو روز کے بعد شوہر آیا اُسے جو سارا حال معلوم ہوا تو وہ بھی
بیچارہ بہت کڑھا اور اپنی عورت کو شاباش دینے لگا۔ اُسی دن
بیوی نے خواب دیکھا کہ اُس کے ماں باپ جنت کے محلوں

ہیں موتیوں کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حوریں سڑن پر
مور چھل جھل رہی ہیں۔ بیوی نے اپنے ماں باپ سے پوچھا
کہ آپ لوگوں کے اعمال تو دُنیا میں ایسے نہ تھے کہ جنت
ملتی پھر یہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ بیٹی تونے جو اپنے
شوہر کا اور خدا کے رسول کا کہنا مانا۔ تو اُس کے صلہ میں خدا
نے ہمیں یہ جنت اور عیش دیا ہے''

سیدۃ النساؓ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے
روایت ہے۔ کہ ایک روز جناب رسولؐ کریم کسی باغ میں
بغرض سیر تشریف لے گئے تو وہاں آپ کو دیکھکر بکریاں سجدہ
میں گر پڑیں۔ اصحاب میں سے ایک نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
جب جانور آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو ہمیں بھی حکم دیجئے کہ ہم

بھی حضور کو سجدہ کریں آپؐ نے فرمایا . . . . . کہ اے
لوگو اگر خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ روا ہوتا تو قسم ہے ربّ العزت
کی مَیں تمام دُنیا کی عورتوں کو حکم دیدیتا کہ وہ اپنے اپنے
شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ ایسی ہی اور بہت سی روایتوں
کی آپ راویہ ہیں۔ اور جس قدر روایتیں آپ کے نام سے
منسوب ہیں وہ بالاتفاق صحیح اور مستند و معتبر مانی جاتی ہیں
اِس لئے آپ کو جناب رسولؐ کی ہم نشینی و ہم جلیسی کا فخر تمام
عورتوں سے زیادہ حاصل تھا۔ اور گو اکثر روایات حضرت
عائشہ صدیقہؓ کے نام سے بھی موسوم ہیں مگر استناد و اعتبار
میں آپ کی روایات بھی کوئی کم درجہ نہیں رکھتیں۔

وفات

سنہ ۱۱ھ میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو سب سے زیادہ صدمہ جناب سیدہ کو ہوا اور سب سے گہرا اور بڑا داغ وفاتِ رسول اللہ کا سیدۃ النسا کے دل میں پڑا۔ یوں تو کون تھا جو وفات سرورِ کائنات پر آنسو نہ بہاتا تھا۔ زمین روتی تھی، آسمان روتے تھے، فرشتے روتے تھے، جنگل اور پہاڑوں میں شمع نبوت کے گل ہو جانے کا ماتم برپا تھا۔ آسمان سے زمین تک ہر چیز سوگوار نظر آتی تھی۔ لیکن جناب فاطمہؓ کا وفاتِ پدر میں جو حال ہوا وہ ناقابل بیان ہے، آپ رات دن فراقِ پدر

ہیں روتی تھیں، کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ ہر وقت مزارِ پُرانوار پر بیٹھی رہتیں اور رویا کرتیں۔ حسنؑ کو دیکھتیں تو آنسو نکل پڑتے اور حسینؑ کو دیکھتیں تو رو دیتیں۔ کبھی کبھی بچوں کو سامنے بٹھا کر کہا کرتیں کہ "بچو تمہارے نانا جان ہم سے روٹھ کر چلے گئے ہیں، ذرا بلا تو لاؤ۔ آہ! اب تمہیں بہشت کے میوے منگوا کر کون کھلائے گا بیکس بچو تمہیں کاندھوں پر کون چڑھائے گا، افسوس اب جبرئیلؑ امین کس کے پاس آئیں گے اور اب مجھ بیکس کی ڈھارس کون بندھائیگا آہ! بابا جان کا انتقال نہیں ہوا بلکہ فاطمہؓ مرگئی، مدینہ اُجڑ گیا۔

"وہ چمن ہی اُجڑ گیا جسمیں بہار آنیکو تھی"

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کو اکثر تسکین دیا کرتے تھے، ازواج مطہرات بھی تسلّی دیتی تھیں لیکن جناب رسولِ مقبول کی یاد کوئی معمولی یاد نہ تھی جو سیدہ رضی اللہ عنہا کے دل سے نکل جاتی۔ حسرت اور رنج و افسوس روز بروز بڑھتا چلا گیا، کھانا پینا بالکل چھوٹ گیا اور آپ بیمار ہوگئیں۔ بیماری کے زمانہ میں بہتیری کوششیں اصلاح طبیعت کی کیگئیں مگر سب بے سود۔ سیکڑوں علاج کئے گئے مگر بیکار۔ آخر جناب رسالتمآب سے چند ہی مہینے بعد آپ نے بھی ۱۱ھ میں دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایسی موت محبت پدری کا پورا ثبوت دیتی ہے۔ کہ اپنے والد ماجد کا صدمۂ فراق گوارا نہ ہو سکا تو

آخر اُن کے غم میں گھُل گھُل کے خود بھی جان دیدی۔ شوہر موجود بچّے موجود، اور عزیز و اقارب موجود مگر ایک باپ کے نہ ہونے نے سیّدۃ النسا کا دل توڑ دیا اور آپ یہ ناقابل برداشت صدمہ گوارا نہ فرما سکیں۔

آپ کی وفات سے سارے زمانہ میں کہرام بپا ہو گیا۔ اور آخر کار آپ جنت البقیع میں دفن کی گئیں اور آپ نے وہاں قیامت تک کیلئے آرام فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ احْشُرْنَا وَکُلَّ الْمُؤْمِنِیْنَ وَکُلَّ الْمُؤْمِنَاتِ مَعَھَا فِی الْیَوْمِ الدِّیْنِ ط بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ط

سیدہ کا عالمگیر ماتم

جب آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر عام ہو گئی تو
تمام اہل مدینہ عزاداری کے لئے حضرت سیدہ کے مکان پر
حاضر ہوئے۔ تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اس غمِ جانکاہ سے پریشان تھے۔ اور سب کے دلوں
میں جناب رسول مقبول کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔ ہر شخص
آپ کے اخلاق اور آپ کی غربت و عظمت کا احساس
کرتا تھا اور کوئی دل ایسا نہ تھا جس میں آپ کی وفات
نے ناسور نہ ڈال دیئے ہوں۔ حضرات حسنینؑ کی یہ
حالت تھی کہ وہ مایوسی اور حسرت و افسوس کے ساتھ

اپنے والد بزرگوار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صورت دیکھتے
تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے کم سنی میں نانا جان
کا سایہ سر سے اُٹھ جانا قیامت تھا۔ کہ اب والدہ ماجدہؓ
نے بھی سفرِ آخرت اختیار فرمایا۔ اب بھلا سوائے حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کے اور کون تھا، جو حسنینؓ کی غمخواری
کرتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ دونوں کو کلیجہ سے لگائے
ہوئے مغموم و مایوس ہر وقت کسی خیال میں محو رہتے تھے
اور کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ آپ سیّدہ کو یاد کر کے
پریشان حال نہ ہوئے ہوں مدینہ منورہ کے علاوہ جہاں
جہاں حضرت سیّدہ کی وفات کی خبر پہنچی سب کے
دل ہِل گئے۔ کیونکہ آپ نے خواتینِ اسلام میں ایک

امتیازی درجہ حاصل کر رکھا تھا اور رسولؐ کی بیٹی ہونے کی
وجہ سے ہر شخص کے دل میں آپ کی سچّی محبت تھی۔

یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ اب کوئی عورت رسولؐ کی
بیٹی نہیں بن سکتی لیکن یہ بالکل ممکن ہے کہ حضرت سیدّہ
کی سوانح عمری کا مطالعہ کرنے کے بعد مسلمان بی بیاں اُن
کی تقلید کی کوشش کریں اور اپنی زندگی کے کارناموں
کو اُن کی زندگی کا نمونہ بنا کر دکھائیں۔

سیدّۃ النسا کی لائف سے سیکڑوں باتیں ایسی معلوم ہوتی
ہیں جن پر عمل کرنا ہر مسلمان خاتون کا فرض ہے۔

تمّت